ٱلۡحَآقَّة

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَـٰنِ ٱلرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

نام

سورت کے پہلے ہی لفظ کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول

یہ بھی مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے اور اس کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت تو شروع ہو چکی تھی، مگر اس نے ابھی زیادہ شدت اختیار نہ کی تھی۔ مسند احمد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ

اسلام لانے سے پہلے ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستانے کے لیے گھر سے نکلا مگر آپ مجھ سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہو چکے تھے۔ میں پہنچا تو آپ نماز میں سورۂ الحاقہ پڑھ رہے تھے۔ میں آپ کے پیچھے کھڑا ہوگیا اور سننے لگا۔ قرآن کی شان کلام پر میں حیران ہو رہا تھا کہ میرے دل میں یکایک خیال آیا کہ یہ شخص ضرور شاعر ہے جیسا کہ قریش کہتے ہیں۔ فوراً ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے "یہ ایک رسول کریم کا قول ہے، کسی شاعر کا قول نہیں"

میں نے اپنے دل میں کہا شاعر نہیں تو پھر کاہن ہے۔ اسی وقت زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے "اور نہ کسی کاہن کا قول ہے۔ تم لوگ کم ہی غور کرتے ہو۔ یہ تو رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے"

یہ سن کر اسلام میرے دل میں گہرا اتر گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت ان کے قبول اسلام سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھی، کیونکہ اس واقعے کے بعد بھی ایک مدت تک وہ ایمان نہیں لائے تھے اور وقتاً فوقتاً متعدد واقعات ان کو اسلام سے متاثر کرتے رہے تھے، یہاں تک کہ اپنی بہن کے گھر میں ان کے دل پر وہ آخری ضرب لگی جس نے ان کو ایمان کی منزل پر پہنچا دیا۔ (مزید دیکھیے: سورۂ مریم اور سورۂ واقعہ)

موضوع اور مضمون

اس کا پہلا رکوع آخرت کے بیان میں ہے، اور دوسرا رکوع قرآن کے مُنزَّل مِّنَ اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسولِ برحق ہونے کے بارے میں ہے۔ پہلے رکوع کا آغاز اس بات سے ہوا ہے کہ قیامت کا آنا اور آخرت کا برپا ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جو ضرور پیش آکر رہنی ہے۔ پھر آیت 4 سے 12 تک یہ بتایا گیا ہے کہ پہلے جن قوموں نے بھی آخرت کا انکار کیا ہے وہ آخر کار خدا کے عذاب کی مستحق ہو کر رہی ہیں۔ اس کے بعد آیت 17 تک قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ وہ کس طرح برپا ہوگی۔ پھر آیت 18 سے 37 تک وہ اصل مقصد بیان کیا گیا ہے جس کے لیے اللہ تعالٰی نے دنیا کی موجودہ زندگی کے بعد نوعِ انسانی کے لیے ایک دوسری زندگی مقدر فرمائی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اس روز تمام انسان اپنے رب کی عدالت میں پیش ہوں گے

جہاں ان کا کوئی راز چھپا نہ رہ جائے گا۔ ہر ایک کا نامۂ اعمال اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ جن لوگوں نے دنیا میں یہ سمجھتے ہوئے زندگی بسر کی تھی کہ ایک دن انہیں اپنے رب کو حساب دینا ہے، اور جنھوں نے دنیا کی زندگی میں نیک عمل کر کے اپنی آخرت کی بھلائی کے لیے پیشگی سامان کر لیا تھا، وہ اپنا حساب دیکھ کر خوش ہو جائیں گے اور انہیں جنت کا ابدی عیش نصیب ہو گا۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے نہ خدا کا حق مانا نہ بندوں کا حق ادا کیا، انہیں خدا کی پکڑ سے بچانے والا کوئی نہ ہو گا اور وہ جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔

دوسرے رکوع میں کفار مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ تم اس قرآن کو ایک شاعر اور کاہن کا کلام کہتے ہو، حالانکہ یہ اللہ کا نازل کردہ کلام ہے جو ایک رسول کریم کی زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ رسول اس کلام میں اپنی طرف سے ایک لفظ گھٹانے یا بڑھانے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اگر وہ اس میں اپنی من گھڑت کوئی چیز شامل کر دے تو ہم اس کی رگ گردن (رگ دل) کاٹ دیں۔ یہ ایک یقینی برحق کلام ہے اور جو لوگ اسے جھٹلائیں گے انہیں آخر کار پچھتانا پڑے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔
اَلۡحَآقَّۃُ ۙ﴿۱﴾	1- ہو کر رہنے والی حقیقت۔*1

1*اصل میں لفظ الحاقہ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں وہ واقعہ جس کو لازماً پیش آ کر رہنا ہے جس کا آنا برحق ہے، جس کے آنے میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ قیامت کے لیے یہ لفظ استعمال کرنا اور پھر کلام کا آغاز ہی اس سے کرنا خود بخود یہ ظاہر کرتا ہے کہ مخاطب وہ لوگ ہیں جو اُس کے آنے کو جھٹلا رہے تھے۔ اُن کو خطاب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ جس چیز کی تم تکذیب کر رہے ہو وہ ہونی شدنی ہے، تمہارے انکار سے اُس کا آنا رک نہیں جائے گا۔

مَا الۡحَآقَّۃُ ۚ﴿۲﴾	2- کیا ہے ہو کر رہنے والی حقیقت۔

وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الۡحَـآقَّةُ ؕ﴿۳﴾	3- اور کیا معلوم ہے تمکو کیا ہے ہو کر رہنے والی حقیقت ۔ *2

*2 یکے بعد دیگرے یہ دو سوالات سامعین کو چونکانے کے لیے کیے گئے ہیں تا کہ وہ بات کی اہمیت کو سمجھیں اور پوری توجہ کے ساتھ آگے کی بات سنیں۔

كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ وَ عَادٌۢ بِالۡقَارِعَةِ ﴿۴﴾	4۔ جھٹلایا ثمود *3 اور عاد نے آپڑنے والے حادثے کو۔ *4

*3 کفارِ مکہ چونکہ قیامت کو جھٹلا رہے تھے اور اُس کے آنے کی خبر کو مذاق سمجھتے تھے اس لیے پہلے اُن کو خبردار کیا گیا کہ وہ تو ہونی شدنی ہے، تم چاہے مانو یا نہ مانو، وہ بہر حال آ کر رہے گی۔ اس کے بعد اب اُن کو بتایا جارہا ہے کہ یہ معاملہ صرف اتنا سادہ سا معاملہ نہیں ہے کہ کوئی شخص ایک پیش آنے والے واقعہ کی خبر کو تسلیم کرتا ہے یا نہیں، بلکہ اس کا نہایت گہرا تعلق قوموں کے اخلاق اور پھر اُن کے مستقبل سے ہے۔ تم سے پہلے گزری ہوئی قوموں کی تاریخ شاہد ہے کہ جس قوم نے بھی آخرت کا انکار کر کے اسی دنیا کی زندگی کو اصل زندگی سمجھا اور اس بات کو جھٹلا دیا کہ انسان کو آخر کار خدا کی عدالت میں اپنا حساب دینا ہو گا، وہ سخت اخلاقی بگاڑ میں مبتلا ہوئی، یہاں تک کہ خدا کے عذاب نے آکر دنیا کو اس کے وجود سے پاک کر دیا۔

*4 اصل لفظ القارعہ ہے۔ قرع عربی زبان میں ٹھوکنے، کوٹنے، کھڑکھڑا دینے، اور ایک چیز کو دوسری چیز پر مار دینے کے لیے بولا جاتا ہے۔ قیامت کے لیے یہ دوسرا لفظ اُس کی ہولناکی کا تصور دلانے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

فَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَاُهۡلِكُوۡا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾	5۔ سو رہے تو ثمود ہلاک کر دیئے گئے وہ ایک بڑی تباہی سے۔ *5

*5 سورہ اعراف، آیت ۷۸ میں اس کو اَلرَّجۡفَہ (زبردست زلزلہ) کہا گیا ہے۔ سورہ ہود، آیت ۶۷ میں اس کے لیے اَلصَّيۡحَہ (زور کے دھماکے) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سورہ حٰم السجدہ، آیت ۱۷ میں فرمایا گیا ہے کہ

ان کو صَاعِقَةُ الْعَذَابِ (عذاب کے کڑکے) نے آلیا۔ اور یہاں اُسی عذاب کو اَلطَّاغِیَہ (حد سے زیادہ سخت حادثہ) سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ یہ ایک ہی واقعہ کی مختلف کیفیات کا بیان ہے۔

وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ ﴿٦﴾	6-اور رہے عاد تو ہلاک کر دیئے گئے وہ ایسی ہوا سے جو تند و تیز طوفانی تھی ۔
سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ ﴿٧﴾	7-مسلط رکھا اس (اللہ) نے اسے ان پر سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل۔ تو پھر دیکھتا ان لوگوں کو اس میں گرے ہوئے جیسے وہ تھے تنے کھجور کے کھوکھلے ۔
فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿٨﴾	8-پھر کیا دیکھتے ہو تم ان میں سے کسی کو باقی ۔
وَ جَآءَ فِرْعَوْنُ وَ مَنْ قَبْلَهٗ وَ الْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۚ ﴿٩﴾	9-اور آیا فرعون اور جو تھے اس سے پہلے اور الٹی ہوئی بستیوں والے خطاؤں کے ساتھ۔ *6

*6 مراد ہیں قومِ لوط کی بستیاں جن کے متعلق سورہ ہود (آیت ۸۲) اور سورہ حجر (آیت ۷۴) میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ان کو تلپٹ کر کے رکھ دیا۔

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿١٠﴾	10-سو نافرمانی کی انہوں نے رسول کی اپنے رب کے تو اسنے پکڑا انکو بڑی سخت گرفت میں۔
اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۙ ﴿١١﴾	11-بلا شبہ جب طغیانی پر آیا پانی *7 تو ہم نے سوار کر دیا تم کو کشتی میں ۔ *8

7*اشارہ ہے طوفانِ نوح کی طرف جس میں ایک پوری قوم اسی خطائے عظیم کی بنا پر غرق کردی گئی اور صرف وہ لوگ بچا لیے گئے جنھوں نے اللہ کے رسول کی بات مان لی تھی۔

8*اگرچہ کشتی میں سوار وہ لوگ کیے گئے تھے جو ہزاروں برس پہلے گزر چکے تھے، لیکن چونکہ بعد کی پوری انسانی نسل اُنھی لوگوں کی اولاد ہے جو اُس وقت طوفان سے بچائے گئے تھے، اس لیے فرمایا کہ ہم نے تم کو کشتی میں سوار کرادیا۔ مطلب یہ ہے کہ تم آج دنیا میں اسی لیے موجود ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اُس طوفان میں صرف منکرین کو غرق کیا تھا اور ایمان لانے والوں کو بچا لیا تھا۔

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾	12-تاکہ بنادیں ہم اسکو تمہارے لئے یاد دہانی اور یاد رکھیں اسے کان جو ہوں یاد رکھنے والے ۔ *9

9*یعنی وہ کان نہیں جو سنی ان سنی کر دیں اور جن کے پردے پر سے آواز اُچٹ کر گزر جائے، بلکہ وہ کان جو سنیں اور بات کو دل تک اتار دیں۔ یہاں بظاہر کان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، مگر مراد ہیں سننے والے لوگ جو اس واقعہ کو سن کر اُسے یاد رکھیں، اُس سے عبرت حاصل کریں اور اس بات کو کبھی نہ بھولیں کہ آخرت کے انکار اور خدا کے رسول کی تکذیب کا انجام کیسا ہولناک ہوتا ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾	13-پھر *10 جب پھونک مار دی جائے گی صور میں ایک پھونک یک بارگی۔

10*آگے آنے والی آیات کو پڑھتے ہوئے یہ بات نگاہ میں رہنی چاہیے کہ قرآن مجید میں کہیں تو قیامت کے تین مراحل الگ الگ بیان کیے گئے ہیں جو یکے بعد دیگرے مختلف اوقات میں پیش آئیں گے، اور کہیں سب کو سمیٹ کر پہلے مرحلے سے آخری مرحلے تک کے واقعات کو یکجا بیان کر دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ نمل آیت ۸۷ میں پہلے نفخ صور کا ذکر کیا گیا ہے جب تمام دنیا کے انسان یک لخت ایک ہولناک آواز سے گھبرا اٹھیں گے۔ اُس وقت نظام عالم کے درہم برہم ہونے کی وہ کیفیات اُن کی آنکھوں کے سامنے پیش

آئیں گی جو سورہ حج آیات ۱ ۔ ۲، سورہ یٰس آیات ۴۹ ۔ ۵۰،اور سورہ تکویر آیات ۱ ۔ ۶ میں بیان ہوئی ہیں۔ سورہ زُمر آیات ۶۷ تا ۷۰ میں دوسرے اور تیسرے نفخ صور کے متعلق بتایا گیا ہے کہ ایک نفخ پر سب لوگ مر کر گر جائیں گے اور اس کے بعد جب پھر صور پھونکا جائے گا تو سب جی اٹھیں گے اور خدا کی عدالت میں پیش ہو جائیں گے۔ سورہ طٰہٰ آیات ۱۰۲ تا ۱۱۲ ، سورہ انبیاء آیات ۱۰۱ تا ۱۰۳، سورہ یٰس آیات ۵۱ تا ۵۳، اور سورہ ق آیات ۲۰ تا ۲۲ میں صرف تیسرے نفخ صور کا ذکر ہے (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد سوم، طٰہٰ حاشیہ ۷۸۔ الحج، حاشیہ ۱ ۔ جلد چہارم، یٰس، حواشی ۴۶ ۔ ۴۷)۔ لیکن یہاں اور بہت سے دوسرے مقامات پر قرآن میں پہلے نفخ صور سے لے کر جنت اور جہنم میں لوگوں کے داخل ہونے تک قیامت کے تمام واقعات کو ایک ہی سلسلے میں بیان کر دیا گیا ہے۔

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۙ ﴿۱۴﴾	14-اور اٹھا لئے جائیں گے زمین اور پہاڑ پھر توڑ پھوڑ کر دیئے جائیں گے ایک چوٹ میں۔
فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ ﴿۱۵﴾	15-تو اس دن ہو پڑے گا واقعہ ۔
وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۙ ﴿۱۶﴾	16-اور پھٹ جائے گا آسمان تو وہ ہو گا اس دن کمزور۔
وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۭ ﴿۱۷﴾	17-اور فرشتے ہوں گے اسکے کناروں پر۔ اور اٹھائے ہونگے عرش تمہارے رب کا اپنے اوپر اسدن آٹھ (فرشتے)۔ *11

11* یہ آیت متشابہات میں سے ہے جس کے معنی متعین کرنا مشکل ہے۔ ہم نہ یہ جان سکتے ہیں کہ عرش کیا چیز ہے اور نہ یہی سمجھ سکتے ہیں کہ قیامت کے روز آٹھ فرشتوں کے اس کو اٹھانے کی کیفیت کیا ہوگی۔ مگر یہ بات بہرحال قابل تصور نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہو گا اور آٹھ فرشتے اس کو عرش سمیت اٹھا

ئے ہوئے ہونگے۔ آیات میں بھی یہ نہیں کہا گیا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہوگا، اور ذات باری کا جو تصور ہم کو قرآن مجید میں دیا گیا ہے وہ بھی یہ خیال کرنے میں مانع ہے کہ وہ جسم اور جہت اور مقام سے منزّہ ہستی کسی جگہ متمکن ہو اور کوئی مخلوق اُسے اٹھائے۔ اس لیے کھوج کرید کر کے اس کے معنی متعین کرنے کی کوشش کرنا اپنے آپ کو گمراہی کے خطرے میں مبتلا کرنا ہے۔ البتہ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی حکومت و فرمانروائی اور اس کے معاملات کا تصور دلانے کے لیے لوگوں کے سامنے وہی نقشہ پیش کیا گیا ہے جو دنیا میں بادشاہی کا نقشہ ہوتا ہے، اور اس کے لیے وہی اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں جو انسانی زبانوں میں سلطنت اور اس کے مظاہر و لوازم کے لیے مستعمل ہیں، کیونکہ انسانی ذہن اسی نقشے اور انہی اصطلاحات کی مدد سے کسی حد تک کائنات کی سلطانی کے معاملات کو سمجھ سکتا ہے۔ یہ سب کچھ اصل حقیقت کو انسانی فہم سے قریب تر کرنے کے لیے ہے۔ اس کو بالکل لفظی معنوں میں لے لینا دُرست نہیں ہے۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾	18-اس دن تم پیش کئے جاؤ گے۔ نہیں چھپا رہے گا تمہارا پوشیدہ راز۔
فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ﴿١٩﴾	19-پس یہ کہ جس کو دیا جائے گا اسکا اعمال نامہ اسکے داہنے ہاتھ میں*12 تو وہ کہے گا کہ لو پڑھو میرا نامہ اعمال۔*13

12* سیدھے ہاتھ میں نامہ اعمال کا دیا جانا ہی ظاہر کر دے گا کہ اُس کا حساب بے باق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں مجرم کی حیثیت سے نہیں بلکہ صالح انسان کی حیثیت سے پیش ہو رہا ہے۔ اغلب یہ ہے کہ اعمال ناموں کی تقسیم کے وقت صالح انسان خود سیدھا ہاتھ بڑھا کر اپنا نامہ اعمال لے گا، کیونکہ موت کے وقت سے میدانِ حشر میں حاضری تک اُس کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا ہوگا اس کی وجہ سے اس کو پہلے ہی یہ اطمینان حاصل ہو چکا ہوگا کہ میں یہاں انعام پانے کے لیے پیش ہو رہا ہوں نہ کہ سزا پانے کے لیے۔ قرآن مجید میں

یہ بات جگہ جگہ بڑی صراحت کے ساتھ بتائی گئی ہے کہ موت کے وقت ہی سے یہ بات انسان پر واضح ہوجاتی ہے کہ وہ نیک بخت آدمی کی حیثیت سے دوسرے عالم میں جا رہا ہے یا بدبخت آدمی کی حیثیت سے ۔ پھر موت سے قیامت تک نیک انسان کے ساتھ مہمان کا سا معاملہ ہوتا ہے اور بد انسان کے ساتھ حوالاتی مجرم کا سا۔ اس کے بعد جب قیامت کے روز دوسری زندگی کا آغاز ہوتا ہے اسی وقت سے صالحین کی حالت و کیفیت کچھ اور ہوتی ہے اور کفار و منافقین اور مجرمین کی حالت و کیفیت کچھ اور (تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، الانفال،آیت ۵۰۔ النحل، آیات ۳۲،۲۸،مع حاشیہ ۲۶۔بنی اسرائیل، آیت ۹۷۔ جلد سوم، طٰہٰ، آیات ۱۲۴،۱۰۳،۱۰۲تا۱۲۶،مع حواشی ۱۰۷،۷۹،۸۰ لانبیاء، آیت ۱۰۳، مع حاشیہ ۹۸۔الفرقان،آیت ۲۴، مع حاشیہ ۳۸۔ النمل، آیت ۸۹،مع حاشیہ ۱۰۹م جلد چہارم، سبا،آیت ۵۱،مع حاشیہ ۷۲۔ یٰس، آیات ۲۷،۲۶،مع حواشی ۲۲۔۲۳۔المومن، آیات ۴۶،۴۵،مع حاشیہ ۶۳۔ جلد پنجم، محمد، آیت ۲۷ مع حاشیہ ۳۷۔ق،آیات ۱۹تا۲۳۔مع حواشی ۲۲،۲۳،۲۵)۔

13*یعنی نامہ اعمال ملتے ہی وہ خوش ہو جائے گا اور اپنے ساتھیوں کو دکھائے گا ۔ سورہ انشقاق ، آیت ۹ میں بیان ہوا ہے کہ ”وہ خوش خوش اپنے لوگوں کی طرف پلٹے گا۔

اِنِّیۡ ظَنَنۡتُ اَنِّیۡ مُلٰقٍ حِسَابِیَهۡ ۚ﴿۲۰﴾	20-بلاشبہ مجھے یقین تھا کہ مجھ کو ملے گا میرا حساب۔ *14

14*یعنی وہ اپنی خوش قسمتی کی وجہ یہ بتائے گا کہ وہ دنیا میں آخرت سے غافل نہ تھا بلکہ یہ سمجھتے ہوئے زندگی بسر کرتا رہا کہ ایک روز اُسے خدا کے حضور حاضر ہونا اور اپنا حساب دینا ہے۔

فَهُوَ فِیۡ عِیۡشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۙ﴿۲۱﴾	21-پس وہ ہو گا زندگی میں دل پسندیدہ-
فِیۡ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۙ﴿۲۲﴾	22-جنت میں اعلیٰ درجہ کی ۔
قُطُوۡفُهَا دَانِیَةٌ ۚ﴿۲۳﴾	23-جس کے میوے قریب جھکے ہوئے ۔

كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓــًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾	24-کھاؤ اور پیو مزے سے اسکے عوض جو تم آگے بھیج چکے ہو ایام گذشتہ میں۔
وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۚ ﴿٢٥﴾	25-اور یہ کہ وہ جس کو دیا جائے گا اسکا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں *15 تو وہ کہے گا اے کاش نہ دیا جاتا مجھ کو میرا اعمال نامہ۔ *16

15* سورہ انشقاق میں فرمایا گیا ہے "اور جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا"۔ غالباً اس کی صورت یہ ہوگی کہ مجرم کو چونکہ پہلے ہی سے اپنے مجرم ہونے کا علم ہو گا اور وہ جانتا ہو گا کہ اس نامہ اعمال میں اس کا کیا کچھا چٹھا درج ہے، اس لیے وہ نہایت بددلی کے ساتھ اپنا بایاں ہاتھ بڑھا کر اُسے لے گا اور فوراً پیٹھ کے پیچھے چھپا لے گا تاکہ کوئی دیکھنے نہ پائے۔

16* یعنی مجھے یہ نامہ اعمال دے کر میدان حشر میں اعلانیہ سب کے سامنے ذلیل و رسوا نہ کیا جاتا اور جو سزا بھی دینی تھی دے ڈالی جاتی۔

وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۚ ﴿٢٦﴾	26-اور نہ ہی مجھے معلوم ہوتا کہ کیا ہے میرا حساب۔ *17

17* یعنی مجھے نہ بتایا جاتا کہ میں دنیا میں کیا کچھ کر کے آیا ہوں۔ دوسرا مطلب اس آیت کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے کبھی یہ نہ جانا تھا کہ حساب کیا بلا ہوتی ہے، مجھے کبھی یہ خیال تک نہ آیا تھا کہ ایک دن مجھے اپنا حساب بھی دینا ہو گا اور میرا سب کیا کرایا میرے سامنے رکھ دیا جائے گا۔

يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۚ ﴿٢٧﴾	27-اے کاش کر چکی ہوتی (موت) میرا کام تمام۔ *18

18* یعنی دنیا میں مرنے کے بعد میں ہمیشہ کے لیے معدوم ہو گیا ہوتا اور کوئی دوسری زندگی نہ ہوتی۔

مَآ اَغۡنٰی عَنِّیۡ مَالِیَهۡ ۚ ﴿۲۸﴾	28-نہیں کام آیا میرے میرا مال۔
هَلَكَ عَنِّیۡ سُلۡطٰنِیَهۡ ۚ ﴿۲۹﴾	29-جاتا رہا مجھ سے میرا اقتدار۔ *19

19*اصل الفاظ ہیں هَلَکَ عَنِّیۡ سُلۡطٰنِیَهۡ۔ سلطان کا لفظ دلیل وحجت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور اقتدار کے لیے بھی۔ اگر اُسے دلیل وحجت کے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ جو دلیل بازیاں میں کیا کرتا تھا وہ یہاں نہیں چل سکتیں، میرے پاس اپنی صفائی میں پیش کرنے کے لیے اب کوئی حجت نہیں رہی۔ اور اقتدار کے معنی میں لیا جائے تو مراد یہ ہوگی کہ دنیا میں جس طاقت کے بل بوتے پر میں اکڑتا تھا وہ یہاں ختم ہوچکی ہے۔ اب یہاں کوئی میرا لشکر نہیں، کوئی میرا حکم ماننے والا نہیں، میں ایک بے بس اور لاچار بندے کی حیثیت سے کھڑا ہوں جو اپنے دفاع کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔

خُذُوۡهُ فَغُلُّوۡهُ ۙ ﴿۳۰﴾	30-پکڑ لو اسے پس طوق پہنا دو اسکو۔
ثُمَّ الۡجَحِیۡمَ صَلُّوۡهُ ۙ ﴿۳۱﴾	31-پھر دوزخ میں جھونک دو اسے۔
ثُمَّ فِیۡ سِلۡسِلَةٍ ذَرۡعُهَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُكُوۡهُ ؕ ﴿۳۲﴾	32-پھر ایک زنجیر میں جس کی لمبائی ستر گز ہے سو جکڑ دو اسے۔
اِنَّهٗ كَانَ لَا یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ ۙ ﴿۳۳﴾	33-بیشک یہ ایمان نہ لاتا تھا اللہ پر جو عظیم ہے۔
وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡكِیۡنِ ؕ ﴿۳۴﴾	34-اور نہ ترغیب دیتا تھا کھانا کھلانے کی فقیر کو *20۔

20*یعنی خود کسی غریب کو کھانا کھلانا تو درکنار، کسی سے یہ کہنا بھی پسند نہ کرتا تھا کہ خدا کے بھوکے بندوں کو روٹی دے دو۔

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۙ ﴿٣٥﴾	35-سو نہیں اس کا آج یہاں کوئی جگری دوست ۔
وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۙ ﴿٣٦﴾	36-اور نہ کوئی کھانا سوائے زخموں کی دھوون کے ۔
لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخٰطِـُٔوْنَ ﴿٣٧﴾	37-نہیں کھائے گا جس کو سوائے گنہگاروں کے ۔
فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۙ ﴿٣٨﴾	38-پس نہیں[21]* ۔ قسم کھاتا ہوں میں اس کی جو تم دیکھتے ہو۔

21*یعنی تم لوگوں نے جو کچھ سمجھ رکھا ہے بات وہ نہیں ہے۔

وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۙ ﴿٣٩﴾	39-اور اس کی جو نہیں تم دیکھتے ۔
اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۚ ﴿٤٠﴾	40-بیشک یہ (قرآن) قول ہے (پہنچایا ہوا) ایک معزز رسول کا۔[22]*

22*یہاں رسولِ کریم سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور سورہ تکویر(آیت ۱۹) میں اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں قرآن کو رسولِ کریم کا قول کہنے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ یہ کسی شاعر یا کاہن کا قول نہیں ہے ، اور ظاہر ہے کہ کفارِ مکہ جبریلؑ کو نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور کاہن کہتے تھے۔ بخلاف اس کے سورہ تکویر میں قرآن کو رسولِ کریم کا قول کہنے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ وہ رسول بڑی قوت والا ہے، صاحبِ عرش کے ہاں بلند مرتبہ رکھتا ہے، وہاں اس کی بات مانی جاتی ہے ، وہ امانت دار ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو روشن اُفق پر دیکھا ہے۔ قریب قریب یہی مضمون سورہ نجم آیات ۵

تا ۱۰ میں جبریل علیہ السلام کے متعلق بیان ہوا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل کا قول کس معنی میں کہا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگ اس کو حضورؐ کی زبان سے اور حضورؐ اسے جبریلؑ کی زبان سے سن رہے تھے، اس لیے ایک لحاظ سے یہ حضورؐ کا قول تھا اور وہ دوسرے لحاظ سے جبریلؑ کا قول، لیکن آگے چل کر یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ فی الاصل یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جبریل کی زبان سے، اور لوگوں کے سامنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ خود رسول کا لفظ بھی اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ یہ ان دونوں کا اپنا کلام نہیں ہے بلکہ پیغام بر ہونے کی حیثیت سے انہوں نے اس کو پیغام بھیجنے والے کی طرف سے پیش کیا ہے۔

وَ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ ﴿۴۱﴾	41-اور نہیں ہے یہ کلام کسی شاعر کا۔ بہت کم ہے جو تم ایمان لاتے ہو۔*

23*"کم ہی ایمان لاتے ہو" کا ایک مطلب عربی محاورے کے مطابق یہ ہو سکتا ہے کہ تم ایمان نہیں لاتے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کو سن کر کسی وقت تمہارا دل خود پکار اُٹھتا ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہو سکتا، مگر پھر تم اپنی ضد پر اڑ جاتے اور اس پر ایمان لانے سے انکار کر دیتے ہو۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ ﴿۴۲﴾	42-اور نہ قول ہے کسی کاہن کا۔ بہت ہی کم ہے جو تم غور و فکر کرتے ہو۔
تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾	43-نازل کیا ہوا ہے رب العالمین کی طرف سے۔ *24

24*"حاصلِ کلام یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں نظر آتا ہے اور جو کچھ تم کو نظر نہیں آتا، اُس سب کی قسم میں اس

بات پر کھاتا ہوں کہ یہ قرآن کسی شاعر یا کاہن کا کلام نہیں ہے بلکہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے جو ایک ایسے رسول کی زبان سے ادا ہو رہا ہے جو کریم (نہایت معزز اور شریف) ہے۔ اب دیکھیے کہ یہ قسم کس معنی میں کھائی گئی ہے۔ جو کچھ لوگوں کو نظر آ رہا تھا وہ یہ تھا کہ:

(۱) اس کلام کو ایک ایسا شخص پیش کر رہا تھا جس کا شریف النفس ہونا مکہ کے معاشرے میں کسی سے چھپا ہوا نہ تھا۔ سب جانتے تھے کہ اخلاقی حیثیت سے یہ اُن کی قوم کا بہترین آدمی ہے۔ ایسے شخص سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ اتنا بڑا جھوٹ لے کر اٹھ کھڑا ہو گا کہ خدا پر بہتان باندھے اور اپنے دل سے ایک بات گھڑ کر اُسے خداوندِ عالم کی طرف منسوب کر دے۔

(۲) وہ یہ بھی اعلانیہ دیکھ رہے تھے کہ اس کلام کو پیش کرنے میں اپنا کوئی ذاتی مفاد اُس شخص کے پیشِ نظر نہیں ہے، بلکہ یہ کام کر کے تو اُس نے اپنے مفاد کو قربان کر دیا ہے۔ اپنی تجارت کو برباد کیا۔ اپنے عیش و آرام کو تج دیا۔ جس معاشرے میں اسے سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا تھا، اُسی میں گالیاں کھانے لگا۔ اور نہ صرف خود بلکہ اپنے بال بچوں تک کو ہر قسم کے مصائب میں مبتلا کر لیا۔ ذاتی مفاد کا خواہشمند ان کانٹوں میں اپنے آپ کو کیوں ڈال دیتا؟

(۳) اُن کی آنکھیں یہ بھی دیکھ رہی تھیں کہ اُنہی کے معاشرے میں سے جو لوگ اُس شخص پر ایمان لا رہے تھے ان کی زندگی میں یک لخت ایک انقلاب برپا ہو جاتا تھا۔ کسی شاعر یا کاہن کے کلام میں یہ تاثیر آخر کب دیکھی گئی ہے کہ وہ لوگوں میں ایسی زبردست اخلاقی تبدیلی پیدا کر دے اور اس کے ماننے والے اُس کی خاطر ہر طرح کے مصائب و آلام برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جائیں؟

(۴) اُن سے یہ بات بھی چھپی ہوئی نہ تھی کہ شعر کی زبان کیا ہوتی ہے اور کاہنوں کا کلام کیسا ہوتا ہے۔ ایک ہٹ دھرم آدمی کے سوا کون یہ کہہ سکتا تھا کہ قرآن کی زبان شاعری یا کہانت کی زبان ہے (اس پر مفصل بحث ہم تفہیم القرآن، جلد سوم، الانبیاء، حاشیہ ۷۔ جلد چہارم، الشعراء، حواشی ۱۴۲ تا ۱۴۵۔ اور جلد پنجم، الطور حاشیہ ۲۲ میں کر چکے ہیں۔

(۵) یہ بات بھی اُن کی نگاہوں کے سامنے تھی کہ پورے عرب میں کوئی شخص ایسا فصیح و بلیغ نہ تھا جس کا

کلام قرآن کے مقابلے میں لایا جا سکتا ہو۔ اُس کے برابر تو درکنار، اس کے قریب تک کسی کی فصاحت و بلاغت نہیں پہنچتی تھی۔

(٦)ان سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ تھی کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان بھی اپنی ادبی شان کے لحاظ سے قرآن کی ادبی شان سے بہت مختلف تھی۔ کوئی اہل زبان حضورؐ کی اپنی تقریر، اور قرآن کو سن کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے کلام ہیں۔

(٧)قرآن جن مضامین اور علوم پر مشتمل تھا، دعوائے نبوت سے ایک دن پہلے تک بھی مکہ کے لوگوں نے کبھی وہ باتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نہ سنی تھیں، اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان معلومات کے حصول کا کوئی ذریعہ آپ کے پاس نہیں ہے ۔ اسی وجہ سے آپ کے مخالفین اگر یہ الزامات لگاتے بھی تھے کہ آپ کہیں سے خفیہ طریقے پر یہ معلومات حاصل کرتے ہیں تو مکہ میں کوئی شخص اُن کو باور کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا تھا(اس کی تشریح ہم تفہیم القرآن جلد دوم، النحل حاشیہ ۱۰۷، اور جلد سوم، الفرقان، حاشیہ ۱۲ میں کر چکے ہیں)۔

(٨)زمین سے لے کر آسمان تک اس عظیم الشان کارخانہ ہستی کو بھی وہ اپنی آنکھوں سے چلتا ہوا دیکھ رہے تھے جس میں ایک زبردست حکیمانہ قانون اور ہمہ گیر نظم و ضبط کارفرما نظر آرہا تھا۔ اس کے اندر کہیں اُس شرک اور انکارِ آخرت کے لیے کوئی شہادت نہیں پائی جاتی تھی جس کے اہلِ عرب معتقد تھے، بلکہ ہر طرف توحید اور آخرت ہی کی صداقت کے شواہد ملتے تھے جسے قرآن پیش کر رہا تھا۔

یہ سب کچھ تو دیکھ رہے تھے۔ اور جو کچھ وہ نہیں دیکھ رہے تھے وہ یہ تھا کہ فی الواقع اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا خالق و مالک اور فرمانروا ہے، کائنات میں سب بندے ہی بندے ہیں، خدا اُس کے سوا کوئی نہیں ہے، قیامت ضرور برپا ہونے والی ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعی اللہ تعالیٰ ہی نے اپنا رسول مقرر کیا ہے، اور اُن پر اللہ ہی کی طرف سے یہ قرآن نازل ہو رہا ہے ۔ ان دونوں قسم کے حقائق کی قسم کھا کر وہ بات کہی گئی ہے جو اوپر کی آیات میں ارشاد ہوئی ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ ﴿٤٤﴾	44- اور اگر یہ (پیغمبر) بنا لاتا ہماری نسبت بعض باتیں۔
لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ ﴿٤٥﴾	45-تو ضرور پکڑ لیتے ہم اس کو داہنے ہاتھ کی طرف سے۔
ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۖ ﴿٤٦﴾	46-پھر ضرور کاٹ ڈالتے ہم اس کی شہ رگ۔
فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ﴿٤٧﴾	47-پھر نہ تم میں سے کوئی ہوتا (ہمیں) روکنے والا اس سے۔ *25

25*اصل مقصود یہ بتانا ہے کہ نبی کو اپنی طرف سے وحی میں کوئی کمی بیشی کرنے کا اختیار نہیں ہے، اور اگر وہ ایسا کرے تو ہم اس کو سخت سزا دیں۔ مگر اس بات کو ایسے انداز سے بیان کیا گیا ہے جس سے آنکھوں کے سامنے یہ تصویر آجاتی ہے کہ ایک بادشاہ کا مقرر کردہ افسر اُس کے نام سے کوئی جعلسازی کرے تو بادشاہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اُس کا سر قلم کر دے۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ غلط استدلال کیا ہے کہ جو شخص بھی نبوت کا دعوٰی کرے، اُس کی رگِ دل یا رگِ گردن اگر اللہ تعالٰی کی طرف سے فوراً نہ کاٹ ڈالی جائے تو یہ اُس کے نبی ہونے کا ثبوت ہے۔ حالانکہ اس آیت میں جو بات فرمائی گئی ہے وہ سچے نبی کے بارے میں ہے، نبوت کے جھوٹے مدعیوں کے بارے میں نہیں ہے۔ جھوٹے مدعی تو نبوت ہی نہیں خدائی تک کے دعوے کرتے ہیں اور زمین پر مدتوں دندناتے پھرتے ہیں۔ یہ اُن کی صداقت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس مسئلے پر مفصل بحث ہم تفہیم القرآن، جلد دوم، تفسیر سورہ یونس حاشیہ ۲۳ میں کر چکے ہیں۔

وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٨﴾	48-اور بیشک یہ (قران) ایک نصیحت ہے پرہیزگاروں کیلئے۔ *26

26*یعنی قرآن اُن لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو غلط روی اور اُس کے برے نتائج سے بچنا چاہتے ہیں (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اول، البقرہ، حاشیہ ۳)۔

وَ اِنَّا لَنَعۡلَمُ اَنَّ مِنۡكُمۡ مُّكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۹﴾	49-اور بیشک ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے جھٹلانے والے ہیں۔
وَاِنَّهٗ لَحَسۡرَةٌ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۵۰﴾	50-اور بیشک یہ ہے موجب حسرت کافروں کے لئے۔ *27

27*یعنی آخر کار انہیں اس بات پر پچھتانا پڑے گا کہ انہوں نے کیوں اس قرآن کی تکذیب کی۔

وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الۡيَقِيۡنِ ﴿۵۱﴾	51-اور بیشک یہ ہے حق یقینی طور پر۔
فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ﴿۵۲﴾	52-سو تسبیح کرو نام کی اپنے رب کے جو عظیم ہے۔